© rasailojaraid.com



پروفیسر خالد شبیر احمد　　　　قسط: ۴۰

# ورق ورق زندگی

## گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پہلا دن:

جب میں کالج کے ہیڈ کلرک کے دفتر میں Joining Report دے رہا تھا تو ایک صاحب دفتر میں داخل ہوئے اور انہوں نے بھی کالج میں Join کیا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں گورنمنٹ کالج سرگودھا سے یہاں پر تبدیل ہوا ہوں۔ جواب میں اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں تو کہنے لگے کہ میں تو گورنمنٹ کالج جڑانوالہ سے آیا ہوں۔ نام پوچھا تو کہنے لگے کہ میرا نام ریاض مجید ہے۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے اپنا بتایا تو کہنے لگے کہ آپ تو پھر اس کالج میں ''میرے ہم ورود ہیں''۔ پرنسپل صاحب کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوئے۔ اس وقت کالج کے پرنسپل چوہدری منیر احمد تھے۔ جب میں اس کالج میں زیرِ تعلیم تھا تو پرنسپل صاحب اس وقت معاشیات پڑھاتے تھے اور مجھے اچھی طرح سے جانتے تھے کہ میں کالج میں ہاکی کا کھلاڑی تھا اور اس کے علاوہ میں کالج یونین کا سیکرٹری بھی رہا۔ اس لیے تقریباً تمام کالج سٹاف مجھے اچھی طرح سے جانتا تھا۔ پرنسپل صاحب نے میرے کالج میں بطور لیکچرر تعینات ہونے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ ہم دونوں پرنسپل صاحب سے مل کر باہر نکلے تو ریاض مجید صاحب مجھے کالج ''ٹی کلب'' میں لے آئے اور وہاں بیٹھے ہوئے پروفیسروں صاحبان سے ملاقات ہوئی۔ ریاض مجید صاحب چونکہ پہلے اس کالج میں پڑھا چکے تھے۔ دوبارہ یہاں آئے تھے اس لیے یہاں تقریباً تمام پروفیسروں سے واقف تھے۔ پہلے دن جن پروفیسروں سے ملاقت ہوئی ان میں انگریزی کے پروفیسر مبشر صاحب مرحوم، اردو کے حق نواز مرحوم، سیاسیات کے شیخ توقیر صاحب اور اردو کے پروفیسر عصمت اللہ خان قابل ذکر ہیں۔ مجھے اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ جہاں میں بچپن میں کھیلنے کے لیے آتا اور جہاں سے میں نے ''گریجویشن'' کی، اُسی کالج میں مجھے پڑھانے کا بھی موقع ملا ہے۔ یہ میری خواہش بھی تھی اور اللہ نے میری خواہش بغیر تگ و دو کے پوری کر دی۔

ریاض مجید صاحب تو مجھے ایسے لگے کہ جیسے برسوں سے میرے واقف ہوں، شروع میں ایسے بے تکلف ہوئے کہ میں اُن سے گھل مل گیا۔ اس لیے بھی کہ وہ مجھے میرے ہم مزاج لگے۔ جب کالج سے چھٹی ہوئی تو ریاض مجید صاحب مجھے کہنے لگے کہ اب آپ کہاں جائیں گے۔ میں نے کہا کہ ابھی تو مجھے مکان نہیں ملا۔ اور میرے گھر والے چنیوٹ میں ہی مقیم ہیں، اس لیے واپس چنیوٹ ہی جاؤں گا۔ کہنے لگے کہ آؤ میرے ساتھ کچھ دیر تک رہو اور پھر چنیوٹ چلے جانا۔ میں انکار نہ کر سکا۔ ریاض مجید صاحب مجھے لے کر کچہری بازار مسجد کے ساتھ دکان پر لے آئے۔ رس گلے اور سموسے منگوا کر کھلائے، چائے پلائی اور اس کے بعد کہنے لگے کہ ذرا محفل ہوٹل میں مل کر بیٹھتے ہیں پھر چنیوٹ چلے جانا۔ میں انکار نہ کر سکا کہ ان کے خلوص و محبت نے مجھے پہلی ہی ملاقات میں بہت متاثر کر لیا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں محفل ہوٹل آ کر بیٹھ گئے۔ محفل ہوٹل کے بارے میں، مَیں پہلے ہی یہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جانتا تھا کہ میرے دوست اقبال فیروز کا ہوٹل ہے جو کالج میں میرے ساتھی تھے۔ اور اس سے بھی پہلے ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ چائے کی پیالی پر ریاض مجید صاحب مجھے کہنے لگے کہ شام کے بعد یہاں پر کچھ دوست آ کر بیٹھتے ہیں اگر فرصت ملے تو یہاں آیا کرو، تمھیں اچھی رفاقت میسر آئے گی۔ میں نے جواباً کہا کہ میں خود یہی چاہتا ہوں۔ آپ نے تو میرا ایک اہم مسئلہ حل کر دیا۔ ریاض مجید صاحب مجھے کہنے لگے کہ میں نے تمہارے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ درست نکلی، میں نے چند منٹوں کی گفتگو میں یہ جان لیا تھا کہ تم ایک مجلسی آدمی ہو۔ اسی لیے تو میں آپ کو لے کر یہاں آیا۔ تم آیا کرو، دن اچھے گزر جائیں گے۔ یہ میری ریاض مجید سے پہلی ملاقات تھی جو پہلے میرے دوست بنے پھر مجھے عمرہ پر اپنے ساتھ لے گئے تو میرے محسن ہوئے۔ اور جب میں نے شاعری شروع کی تو شاعری میں نے اُن کو اپنا استاد بنالیا اور ان سے اصلاح لیتا رہا۔ یہ تعلق روز بہ روز بڑھتا ہی گیا۔ بعد میں انھوں نے ”اردو میں نعت گوئی“ میں، پی۔ایچ۔ڈی کر لی تو پھر ریاض مجید سے ڈاکٹر ریاض مجید ہو گئے۔ اُن سے جو پر پہلے دن دوستی کا رشتہ قائم ہوا وہ اب تک قائم ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ

اک شخص میرے دل میں اُترتا چلا گیا — خوشبو کی طرح روح میں گھلتا چلا گیا
ہر سمت اُس کے ساتھ میں چلتا چلا گیا — رستہ ملا نہ کوئی بھی اس سے فرار کا

## مکان کا مسئلہ اور امیر شریعتؒ کی کرامت:

فیصل آباد میں تقریباً آٹھ ماہ کی کوشش اور تگ و دو کے بعد بھی مجھے کہیں مکان نہ ملا۔ روزانہ چنیوٹ سے لائل پور اور لائل پور سے پھر چنیوٹ آنا پڑتا۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑی مشکل تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا کہ میں چنیوٹ میں ہوں اور نہ لائل پور (فیصل آباد) میں۔ اس سلسلے میں ایک روز میں محلّہ مدن پورہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے ملنے گیا۔ دوپہر کے کھانے پر محبوب اور مقبول، میرے پھوپھی زاد بیٹھے ہوئے میرے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ مکان نہیں مل رہا میری مدد کیجیے۔ آپ تو یہاں پر کافی عرصے سے ہیں اور میری مدد کر سکتے ہیں۔ جواب میں وہ مسکرائے اور کہنے لگے بھائی جان مکان آپ کو نہیں مل سکتا۔ میں نے کہا کہ اس کی وجہ؟ کہنے لگے کہ آپ نے ہماری بات ماننی نہیں ہے ورنہ مکان تو آپ کو مل سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی میں آپ کی بات کیوں نہیں مانوں گا۔ میں تو انتہائی مشکل میں ہوں۔ کہنے لگے کہ ایک ہی طریقہ ہے۔ یہ مکان جس میں ہم رہ رہے ہیں یہ آپ کو مل سکتا ہے۔ کہ چند روز میں ہم نے یہاں سے تھوڑی دور گلشن کالونی میں جہاں ہم نے کوٹھی بنالی ہے چلے جانا ہے۔ ہم مکان خالی کر کے چابیاں آپ کو دے دیں گے آپ رات کی تاریکی میں اپنا سامان لے کر آ جایئے گا اور رہنا شروع کر دیجیے۔ یہاں مکان کے نیچے ایک دکان دار ہے اس سے بات کر کے اجازت لے لیں گے۔ اگر شروع میں بات کی تو شاید وہ انکار کر دے۔ یہ مالک مکان کی طرف سے یہاں اس مکان کے سلسلے میں مختار ہے کہ جس کو چاہے مکان دے، کرایہ بھی ہم سے یہی وصول کرتا ہے۔

میں نے کہا کہ رات کی تاریکی میں مکان پر قبضہ کرنا تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم نے تو اسی وجہ سے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ کو مکان نہیں مل سکتا، مکان حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے جو آپ کے مزاج



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے خلاف ہے۔ آپ آجائیں جو کچھ بعد میں ہوگا اس کا ہم مقابلہ کرلیں گے۔ میں اس قدر مجبور اور پریشان تھا کہ رات کو مکان میں آنے پر رضامند ہوگیا۔ رات ایک بجے سامان لاکر رکھ دیا اور مکان میں رہائش اختیار کرلی، لیکن ایک انجانا خوف دن رات میرے سر پر سوار تھا کہ یہ طریقہ تو ٹھیک نہیں۔ اگر اس دکاندار نے اعتراض کردیا کہ چوروں کی طرح رات کی تاریکی میں مکان پر قبضہ کرکے کرائے دار بننے کا کونسا صحیح طریقہ ہے تو میرے پاس کیا جواب ہوگا۔ تاہم رہنا شروع کردیا۔

مکان کے عقب میں ایک مسجد تھی۔ سڑک پہ دکانیں تھیں، ان دکانوں میں ہی وہ دکان دار تھا جس سے میں ڈر رہا تھا۔ اس کے سامنے سے گزر کر مسجد میں نماز کے لیے جاتا تھا۔ مسجد میں وہ بھی نماز پڑھتا۔ وہ مجھے دیکھتا اور میں اپنی نظریں نیچی کر لیتا۔ ایک روز وہی ہوا کہ جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے اس کی دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے مجھے بلا لیا، کہنے لگا، کہ آپ کس مکان میں رہتے ہیں؟ میں نے بتایا۔ کہنے لگا کہ آپ کیسے اس مکان میں آ گئے؟ میں نے کہا کہ مکان میرے بھائیوں کا تھا انھوں نے کوٹھی بنالی ہے اور مکان مجھے دے گئے۔ کہنے لگا یہ کونسا طریقہ ہے کہ آپ چپ چاپ، بن پوچھے مکان میں آ گھسے۔ آپ کو مکان خالی کرنا ہوگا۔ آپ کیسے شریف آدمی ہیں، چابی انھیں مجھے دینی چاہیے تھی اور اس کے بعد معاملہ طے ہونا تھا کہ مکان میں آپ کو دوں یا نہ دوں۔ بہرحال مکان خالی کردو۔

یہ ایک طرح کی وارننگ تھی جو مجھے ہر دوسرے، تیسرے دن اس دکان دار کی طرف سے ملتی۔ ایک دن میں نے اُسے گھر آکر اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی۔ دل میں تھا کہ گھر میں اس کی منت کرلوں گا اس کے پاؤں پڑ جاؤں گا، رحم کی اپیل کروں گا تو شاید مسئلہ حل ہو جائے لیکن وہ تو اس پر بھی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن جب اس نے پھر مجھ سے مکان خالی کرنے کا تقاضا کیا تو میں بھی جلال میں آ گیا میں نے کہا:

''آپ مجھے تو کہتے ہیں کہ میں کیسا شریف آدمی ہوں کہ چوروں کی طرح گھر میں آ گھسا ہوں لیکن آپ بھی تو کچھ خیال کریں۔ میں آپ کو گھر پہ چائے کی دعوت دیتا ہوں اور آپ اسے مسترد کر دیتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ کسی مسلمان کی دعوت کو شرعی طور پر مسترد کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ بھاڑ میں گیا آپ کا مکان، آپ پانچ وقت کے نمازی ہیں اور میری دعوت مسترد کرتے ہیں۔ آپ کو احساس تک نہیں ہے کہ اس سے میرا دل مجروح ہوتا ہے میں نے کونسا ایسا قتل کردیا ہے کہ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور ایک ہی بات کہے جا رہے ہیں مکان خالی کردو۔ بہرحال اس کے علاوہ اور بھی جو کچھ میں کہہ سکتا تھا کہہ دیا۔''

میری تقریر کا اس پر اثر ہوا اور وہ اس بات پر راضی ہوگیا کہ میرے گھر آئے اور میرے ساتھ بیٹھ کر چائے پیے۔ جب وہ میرے اس کمرے کے دروازے پر آیا جو میں بطور بیٹھک استعمال کر رہا تھا اور اس کمرے میں میں نے امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر دیوار کے ساتھ لگائی ہوئی تھی کمرے کے دروازے پر ہی اس کی نگاہ شاہ جی کی تصویر پر پڑی تو دروازے پر ہی رک گیا اور بڑے تعجب کے ساتھ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا کہ ''یہ تو شاہ جی کی تصویر ہے۔''

میں نے کہا کہ ہاں یہ شاہ جی کی ہی تصویر ہے۔ وہ کہنے لگا شاہ جی کا آپ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

میں نے کہا کہ وہ میرے ''پیرومرشد ہیں، میں اُن کا عقیدت ہوں''



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس نے دروازے پر ہی کھڑے ہو کر کہا کہ شاہ جی تو میرے بھی پیر و مرشد ہیں۔ اُٹھ کر پہلے میرے گلے ملو، پھر میں کمرے میں داخل ہوں گا۔ چنانچہ میں اس پر خوشی سے جھوم اٹھا اور اس سے بغل گیر ہو گیا۔ جس کے بعد اس نے چائے کی پیالی پر مجھ سے شاہ جی کی باتیں کیں اور کہا کہ ”جب تک چاہو مکان میں رہو، تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، مالک مکان سے میں خود بات کر لوں گا۔ اور پھر میں اس مکان میں تقریباً اٹھارہ برس تک رہا۔ ریٹائرمنٹ سے چند سال پہلے میں نے اپنی مرضی سے وہ مکان چھوڑا اور پھر گلستان کالونی اکبر چوک میں اپنی بہن کے مکان میں رہائش اختیار کر لی۔

لوگ مجھ سے شاہ جی کی کرامتیں پوچھتے ہیں، میں جواب میں کہتا ہوں کہ ان کا اپنا وجود خود بہت بڑی کرامت تھی۔

میں نے دیکھا نہ کوئی شخص کہیں اُس جیسا　　جس کا گہرا ہے تعلق میرے اشعار کے ساتھ
دل میں اک چہرا سجا رکھا ہے میں نے ایسے　　جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

## فیصل آباد میں سیلاب اور احرار ریلیف کیمپ ۱۹۷۳ء:

مکان کا مسئلہ حل ہوا تو فیصل آباد میں سیلاب آ گیا۔ میں حیران تھا کہ چنیوٹ میں تو سیلاب آتے ہیں کہ وہ دریا کے کنارے پر ہے۔ فیصل آباد میں سیلاب میرے لیے حیرانی کا باعث تھا لیکن سیلاب تھا کہ تھمتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند دنوں میں ہی سیلاب نے شہر کے شمال مغربی علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ نقل مکانی کر کے محفوظ جگہوں پر منتقل ہونے پر مجبور ہوئے۔ میرا مکان بھی سیلاب کی زد پہ تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ضروری سامان کے ساتھ بچوں کو ایک محفوظ جگہ پر منتقل کیا۔ اور سیلاب زندگان کی مدد کے لیے احرار ریلیف کیمپ گھنٹہ گھر میں بطور رضا کار کام شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ کوئی ایک ماہ تک چلتا رہا جس کے بعد حالات معمول پر آئے تو دوبارہ اُسی مکان میں منتقل ہوا۔ جس کے بعد فیصل آباد میں معمول کے مطابق زندگی گزرنی شروع ہوئی۔

زندگی کا زیادہ حصہ میرا فیصل آباد میں ہی گزرا۔ بچپن فیصل آباد میں پھر چنیوٹ اور دہلی کے بعد دوبارہ فیصل آباد میں آ گئے۔ یہاں پر تعلیم حاصل کی اور بی۔ اے کے بعد فیصل آباد چھوڑ کر لاہور آ گیا تھا۔ جس کے بعد نوکری کے سلسلے میں ایک لمبے عرصے کے بعد دوبارہ فیصل آباد میں رہائش پذیر ہوا تو احساس ہوا کہ یہاں کے لوگ بڑے ہی سخت مزاج ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے تو یقیناً پاکستان کا تیسرا شہر ہے۔ لیکن اس میں شہروں والی کوئی بات نہیں کہ شہر تو روایات، تہذیب و تمدن سے بنتا ہے۔ ایک بھیڑ ہے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے یہاں آ اکٹھی ہو گئی ہے۔ نہ جس میں نظم و ضبط، نہ ہمدردی، نہ تعاون، نہ عزت کا احساس شاید اس لیے بھی ایسا ہے کہ یہ ایک نیا شہر ہے اور ابھی اس نہج تک نہیں پہنچ پایا جس پر پہنچ کر اُسے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ابھی یہاں نہیں۔ اس لیے یہاں زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اپنے حلقۂ احباب میں ہی زیادہ سے زیادہ رہا جائے، شہر کے دوسرے لوگوں سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

یہ شہرِ شب ہے یہاں زندگی گزارنے کو
تمام عمر چراغوں کی طرح جلنا ہے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## محفل ہوٹل میں محفل آرائیاں:

جب حالات سدھرے تو میں نے ریاض مجید صاحب کی تجویز کے مطابق مغرب کے بعد محفل ہوٹل میں باقاعدہ جانا شروع کر دیا۔ رات گئے تک ہم یہاں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے اور گفتگو کے دوران یوں ایک دوسرے میں گم ہو جاتے کہ جیسے معاشرے سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں اور تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ہر پریشانی، غم یا فکر نام کی کوئی بات ہم سے کوسوں دور ہے۔ یہاں پر جن لوگوں سے دوستی کا رشتہ قائم ہوا وہ ہر لحاظ سے میرے ہم مزاج اور میرے لیے زندگی کا انمول اثاثہ بن گئے۔ ان میں کچھ شعراء حضرات تھے۔ جن میں خاص طور پر ریاض مجید، انور محمود خالد، ریاض پرواز قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ وکلاء حضرات بھی اس محفل کو رونق بخشتے۔ جن میں سب سے اہم نام چودھری صفدر علی ایڈووکیٹ مرحوم، چودھری محمد امین، چودھری رفیق حسین اور جماعت اسلامی سے متعلقہ بعض حضرات یہاں پر باقاعدگی کے ساتھ آتے تھے۔ جن میں مولانا عبدالرشید صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جو بعد میں کسی حادثے کا شکار ہوئے۔ قاری محمد اکبر بھی کبھی جماعت اسلامی سے وابستہ تھے لیکن بعد میں انھوں نے اپنی ذاتی وجوہات کی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بعد میں ڈاکٹر زاہد چیمہ بھی اس محفل میں آنے لگے۔ جس سے دوستوں کی اس انجمن میں ایک خوبصورت اضافہ ہوا۔ کچھ لوگ پیپلز پارٹی کے بھی آتے جن میں چودھری محمد حسین ایڈووکیٹ۔ ان کے علاوہ جھنگ بازار کے رانا مختار جو ہمارے کالج میں ہمارے ساتھ تھے وہ بھی بڑی باقاعدگی سے یہاں تشریف لاتے۔ کبھی کبھی اقبال فیروز بھی آتے اور اپنی خوش کلامی سے محظوظ فرماتے۔ میاں ہدایت اللہ مرحوم اپنی وضع کی منفرد شخصیت تھی جو ان محفلوں میں ہمیشہ حاضر باش رہتے۔ ایک نام حبیب درانی صاحب کا بھی ہے جو کئی لحاظ سے ایک اچھوتی اور انوکھی شخصیت تھی۔ ان سب میں سے کچھ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور کچھ اب بھی اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔ مگر وہ محفل ہوٹل سے تھری سٹار ہوٹل میں آئے اور آج کل پریس کلب میں بیٹھتے ہیں۔ اور ان محفلوں کی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں جن میں، راقم نے اپنی زندگی کا ایک لمبا اور اہم حصہ صرف کیا۔ میں اگرچہ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۹۷ء میں اپنے وطن چنیوٹ آ گیا لیکن کبھی کبھی انہیں وہاں ملنے جاتا ہوں اور اس طرح پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ زندگی کے اس مرحلہ میں جب اُن محفلوں کو یاد کرتا ہوں تو کہہ اٹھتا ہوں:

دھڑکن بنی ہوئی ہے دل بے قرار کی
وابستہ جتنی یادیں ہیں اُن محفلوں کے ساتھ

## شورش کاشمیری کی ایک اہم تقریر (دسمبر ۱۹۷۳ء):

ایک دن ہم حسبِ معمول محفل ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن اقبال فیروز بھی ہوٹل میں موجود تھے تو میں نے اُن سے کہا کہ آج رات بعد نماز عشاء چنیوٹ میں سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس ہے جو ہر سال دسمبر کے آخری دنوں میں ہوتی ہے اس میں نواب زادہ نصر اللہ خان اور آغا شورش کاشمیری خطاب فرمائیں گے۔ اقبال فیروز کے آغا صاحب سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ ہفت روزہ چٹان سے بھی کچھ عرصہ وابستہ رہے اور آغا صاحب کی خطابت اور تحریک حریت میں اُن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی قربانیوں کا اکثر ذکر کرتے۔ میری اس اطلاع کہ آج شورش صاحب کی چنیوٹ میں تقریر ہے، کہنے لگے کہ کیوں نہ چنیوٹ جا کر اُن کی تقریر سنی جائے۔ میرے دوسرے دوست ملک اکرام محی الدین جو ہر روز محفل ہوٹل آتے اور اپنی مخصوص گفتگو سے پوری محفل کو کشتِ زعفران بناتے۔ انھوں نے بھی تائید کی۔ کیونکہ انھیں نواب زادہ نصر اللہ صاحب سے خاص اُنس تھا اور ان کی فیصل آباد میں کئی تقریروں میں بطور نقیب اُن پر اپنی محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔ پروگرام بن گیا۔ اقبال فیروز نے اپنی کار نکالی اور ہم تینوں (اقبال فیروز، ملک اکرام محی الدین اور راقم خالد شبیر احمد) چنیوٹ روانہ ہو گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو کانفرنس اپنے پورے عروج پر تھی۔ لوگ بڑی تعداد میں علماء حضرات کی تقریروں کو سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہر مقرر کا عنوان رد قادیانیت تھا۔ سب سے آخر میں نواب زادہ صاحب اور اس کے بعد آغا شورش کاشمیری کی تقریر تھی۔ تقریر کیا تھی جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو۔ قادیانی سازشوں، قادیانیوں کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات، قادیانیوں کے پاکستان کو قادیانی ریاست بنانے کے عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے آغا صاحب نے ایک وہ فقرہ بھی کہا جس کے لیے میں نے اس کانفرنس میں شرکت کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے۔ وہ تاریخی فقرہ درج ذیل ہے۔

”قادیانیو! سن لو، تم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف سازشیں کر رہے ہو، میں تمھاری ان تمام سازشوں سے بخوبی واقف ہوں۔ میں تمھیں علی الاعلان بتا رہا ہوں کہ جہاں بھٹو کا پسینہ گرے گا وہاں شورش کا خون گرے گا۔ اور میرا نام بھی شورش کاشمیری نہیں کہ میں اسی ذوالفقار علی بھٹو سے تمھیں غیر مسلم قرار نہ دلوا دوں۔“

یہ دسمبر ۱۹۷۳ء کی تقریر ہے اور پھر ےستمبر ۱۹۷۴ء میں قادیانی آئینی اور قانونی طور پر قومی اسمبلی کے فلور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیے گئے۔ شاید وہ تقریر ایک دعا بن گئی ہو یا پھر وہ وقت خصوصی طور پر قبولیت کا وقت تھا۔ شورش کی قربانیوں کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی قبولیت کی صورت میں پوری قوم کو دیا۔ وہ خواب نہ جانے کب سے ہم سب دیکھ رہے تھے اس کی تعبیر جو بظاہر ناممکن نظر آتی تھی ہمارے سامنے ممکن ہوئی کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

نہ جانے کب سے یہ کہہ رہے تھے:

اے حرفِ شوق معرضِ تقریر میں تو آ — اے خواب دیدہ، خواب کی تعبیر میں تو آ
گن گاؤں گا میں تیرے حسن و جمال کے — میری نگاہِ ذوق کی تصویر میں تو آ

آج وہ حرف شوق ہماری تقریروں میں ہے اور وہ خواب نہ جانے کب سے دیکھ رہے تھے اس کی تعبیر بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہ دعا قبول ہوئی۔ جس کے لیے ہم کہا کرتے تھے:

کب تک رہے گی گود میں الفاظ کے نہاں
دل کی دعا تو صورتِ تاثیر میں تو آ

(جاری ہے)



© rasailojaraid.com